اقبال کی شاعری کے پانچ ادوار

ڈاکٹر عظمت رباب

Dr. Azmat Rubab

Assistant Professor, Department of Urdu,
Lahore College For Women University, Lahore.

Abstract:

Allama Iqbal is one of the greatest poets of Urdu literature. His poetry shows a continuous evolution in thought, content and form. He expressed himself in both Urdu and Persian languages. When his first Urdu book of poetry "Baang e Draa" was published, its introduction was written by sheikh Sir Abdul Qadir, a pioneer of Modern Urdu Literature and editor of "Makhzan". He divided Iqbal's poetry in three phases according to the three parts of poetry in Baang e Draa. Since then Urdu Critics have been dividing Iqbal's poetry in three parts but they forget that Baang e Draa was published in 1924. He wrote and published more Urdu poetry after that in "Baal e Jibreel", "Zarb e Kaleem" and "Armaghaan e Hijaaz" and show different phases of his poetry in diction, thought and form. These books were not taken into account by Sir Abdul Qadir. Now Dr. Azmat Rubab reviews the entire poetic works of Iqbal and indicates that there are 5 phases in Iqbal's Poetry.

کسی شاعر کی شاعری کو پرکھنے کے لیے اس کے پورے کلام کو پڑھا جاتا ہے اور پھر اس کی شاعری کے نمایاں رجحانات و موضوعات اور فنی خصوصیات کی بنا پر مختلف ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ یوں ہم ایک شاعر کے فکری و فنی ارتقا اور مراحل سے واقف ہوتے ہیں۔ شاعر کی فکر کو سمجھنے اور فن کے ارتقا کے لیے اس کی شاعری کو ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس اصول کی بنیاد پر نقادوں نے اقبال کی شاعری کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ عبدلقادر وہ پہلے نقاد ہیں جنھوں نے بانگِ درا کے دیباچے میں اقبال کی

شاعری کو تین ادوار میں تقسیم کیا اور بعد کے نقادوں نے ان کی اس تقسیم کی بنیاد پر اقبال کی شاعری کو اپنے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

اقبال کی شاعری کے ادوار کی تقسیم کا مسئلہ متنازعہ ہی رہا ہے۔ محققین اور نقادوں نے اقبال کی شاعری کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ عبدالقادر اس سلسلے کی پہلی کڑی ہیں۔ انہوں نے بانگ درا کے دیباچے میں اقبال کی شاعری کو مندرجہ ذیل تین ادوار میں تقسیم کیا ہے

۱۔ ۱۹۰۵ء تک کی شاعری کو پہلا دور کہا ہے۔ عبدالقادر لکھتے ہیں کہ ابتدائی مشق کے دنوں کو چھوڑ کر اقبال کا اردو کلام بیسویں صدی کے آغاز سے کچھ پہلے شروع ہوتا ہے۔(۱) ''ہمالہ'' مخزن کے پہلے شمارے اپریل ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کو عبدالقادر نے پہلے دور کا نقطۂ آغاز قرار دیا ہے۔ بانگ درا کے دیباچے میں وہ اس دور کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

> ''یہاں سے گویا اقبال کی اردو شاعری کا پبلک طور پر آغاز ہوا اور ۱۹۰۵ء تک جب وہ ولایت گئے یہ سلسلہ جاری رہا۔''(۲)

۲۔ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک قیامِ یورپ کی شاعری کا دوسرا دور ہے۔ اس حوالے سے عبدالقادر لکھتے ہیں کہ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک اقبال کی شاعری کا ایک دوسرا دور شروع ہوا۔ یہ وہ زمانہ ہے جو انھوں نے یورپ میں بسر کیا۔(۳)

۳۔ قیامِ یورپ کے دوران میں اقبال فارسی کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کا رجحان فارسی کی طرف ہو گیا۔ واپسی کے بعد بانگ درا کی اشاعت تک کو عبدالقادر تیسرا دور قرار دیتے ہیں۔

> ''اس کے بعد ولایت سے واپس آنے پر گو کبھی کبھی اردو کی نظمیں بھی کہتے تھے مگر طبیعت کا رخ فارسی کی طرف ہو گیا۔ یہ ان کی شاعری کا تیسرا دور ہے جو ۱۹۰۸ء کے بعد سے شروع ہوا اور جواب تک چل رہا ہے۔''(۴)

''بانگ درا'' ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی۔ اس وقت کے کلام کو عبدالقادر نے تین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ ان ادوار کی تقسیم کی بنیاد فکری ارتقا پر تھی۔ عبدالقادر نے اقبال کے فکری ارتقا کو مدِ نظر رکھا اور ان کی شاعری کو فکری حوالے سے تین ادوار میں تقسیم کیا۔ اس طرح عبدالقادر وہ پہلے نقاد ہیں جنھوں نے اقبال کی شاعری کے ادوار کی تقسیم کا کام کیا۔ بعد میں آنے والے بیشتر نقادوں نے عبدالقادر کی اس تقسیم کو برقرار رکھا اور اقبال کی شاعری کے پہلے تین ادوار وہی قائم کیے جو کہ عبدالقادر نے ''بانگِ درا'' کے دیباچے میں قائم کر دیے تھے۔ تاہم بانگِ درا کے بعد کی شاعری کو دیگر نقادوں نے مزید ادوار میں تقسیم کیا۔ اس طرح اقبال کے ساری اردو اور فارسی کلام کی تقسیم کی گئی۔

طاہر فاروقی نے ''سیرت اقبال'' میں اقبال کی شاعری کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ ان کے مطابق اقبال کی شاعری کے چار ادوار ہیں:

''۱۔ابتدا سے ۱۹۰۵ء تک
۲۔۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک
۳۔۱۹۰۸ء سے ۱۹۲۴ء تک
۴۔۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۸ء تک

پہلے تین دور تو خود اقبال نے قائم کیے ہیں جیسا کہ بانگ درا کی ترتیب سے واضح ہے۔ چوتھا دور ہم نے قائم کیا ہے جس کی وجہ آئندہ ظاہر ہو جائے گی۔''(۵)

چوتھے دور کو طاہر فاروقی تیسرے دور کا تکملہ قرار دیتے ہیں۔ بالِ جبریل، ضربِ کلیم، زبورِ عجم، پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق اور مسافر کی شاعری کو طاہر فاروقی نے چوتھا دور قرار دیا ہے۔ عبدالسلام ندوی نے ''اقبال کامل'' میں اقبال کی شاعری کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ انھوں نے بھی پہلے تین ادوار وہی رکھے ہیں جو کہ عبدالقادر کے قائم کردہ ہیں۔ چوتھے دور کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

''بانگِ درا کی اشاعت کے بعد انھوں نے جو کچھ اردو میں لکھا وہ سب اسی چوتھے دور میں شامل اور اس کی خصوصیات گذشتہ دور سے مختلف ہیں کیونکہ گذشتہ دوروں میں ان کی پرجوش اور طویل نظموں میں ۔۔۔خاص خاص محرکات تھے لیکن اس دور میں کوئی پرجوش خارجی محرک ان کے سامنے نہیں تھا۔ صرف ایک خودی کا فلسفہ تھا جس کے نشہ میں سرشار اور بے خود تھے۔ اس لیے بال جبریل میں جو اس دور کی اردو شاعری کا پہلا مجموعہ ہے اس فلسفہ کی بہتات نظر آتی ہے۔''(۶)

ضربِ کلیم اور ارمغانِ حجاز کی شاعری کو بھی عبدالسلام ندوی نے چوتھے دور میں شامل کیا ہے۔ ضربِ کلیم کی شاعری کو انھوں نے ''نیم واعظانہ اور نیم شاعرانہ کتاب'' کہا ہے۔ اس زمانے کی شاعری اور حالات کے بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ یہ زمانہ ڈاکٹر صاحب کی علالت اور پریشان حالی کا تھا اس لیے قدرتی طور پر ان کی طبیعت میں افسردگی اور پژمردگی پیدا ہو گئی تھی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب زورِ بیان اور جوشِ کلام سے زیادہ ان کے اشعار میں سوز و گداز پیدا ہو گیا۔(۷)

ڈاکٹر عبدالمغنی نے ''اقبال کا ذہنی و فنی ارتقا'' میں اقبال کی شاعری کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے اور شاعری کے ہر مجموعہ کو ان کی شاعری کا ایک دور قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالمغنی کے مطابق چار ادوار کی تقسیم یوں ہے۔

پہلا دور: ۱۹۲۴ء تک یعنی بانگ درا کی شاعری
دوسرا دور: ۱۹۳۵ بال جبریل کی شاعری
تیسرا دور: ۱۹۳۶ء ضربِ کلیم کی شاعری

چوتھا دور: ارمغانِ حجاز کی شاعری(۸)

اس تقسیم کے بعد ڈاکٹر عبدالمغنی یہ بھی کہتے ہیں کہ اقبال کے آخری دو مجموعے یعنی ضربِ کلیم اور ارمغانِ حجاز ایک ہی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ یوں ڈاکٹر عبدالمغنی اقبال کی شاعری کو تین ادوار ہی میں تقسیم کرنے پر مصر ہیں۔ ڈاکٹر عبدالمغنی کی اس تقسیم کو تسلیم کرنا اس لیے ممکن نہیں کہ بانگ درا کو انہوں نے پہلا دور قرار دیا ہے جبکہ بانگ درا میں واضح فکری اور فنی ارتقا موجود ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ نے ''طیف اقبال'' میں اقبال کی شاعری کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا اور ان کی بنیاد سیاسی حالات پر رکھی۔ ان کے مطابق اقبال کی شاعری کے ادوار درج ذیل ہیں:

پہلا دور: ۱۸۹۸ء سے ۱۹۰۵ء تک یعنی ابتدا سے یورپ جانے سے قبل کی شاعری

دوسرا دور: ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک۔ قیام یورپ کی شاعری

تیسرا دور: ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۸ء تک۔ یورپ سے واپسی سے جنگ عظیم اول کی شاعری

چوتھا دور: ۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۲ء تک۔ جنگ عظیم اول کے خاتمے سے لے کر جاوید نامہ تک کی شاعری

پانچواں دور: ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۸ء تک کی شاعری(۹)

ڈاکٹر سید عبداللہ نے اقبال کی شاعری کو سیاسی واقعات کی روشنی میں تقسیم کیا ہے۔ وہ اس کی وضاحت درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''یہ دور بندی درحقیقت ان سیاسی واقعات کے پیش نظر کی گئی ہے جن سے مسلمان قوم متاثر ہوتی رہی۔ مسلمان قوم کی ذہنی تاریخ کے جو ادوار مقرر کیے جا سکتے ہیں وہی ادوار اقبال کے ارتقا کے متعلق بھی مقرر کیے جا سکتے ہیں۔''(۱۰)

ہندوستان کی سیاست سے دلچسپی اور مستقبل سے گہری وابستگی کے پیش نظر ڈاکٹر سید عبداللہ کی اس تقسیم کو بے بنیاد قرار نہیں دیا جا سکتا تاہم یہ حقیقت بھی اہم ہے کہ ہندوستانی سیاست کے علاوہ مشرق و مغرب کا مطالعہ، ذاتی رجحانات و دلچسپیاں اور ذاتی زندگی کے بحران بھی اقبال کے ذہن اور فکر کو متاثر کر رہے تھے۔ اقبال کی نظر تمام عالمِ اسلام پر تھی۔ سیاسی واقعات کے ساتھ ساتھ شاعر کی شخصیت اور اس کے شخصی رجحانات بھی اس کی شاعری کو متاثر کرتے ہیں۔ محض سیاست کی بنیاد پر شاعری کے ادوار کی تقسیم اسے محدود کر دیتی ہے۔

کسی شاعری کی شاعری کا مطالعہ فکری اور فنی ہر دو حوالے سے کیا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا نقادوں نے اقبال کی شاعری کے جن ادوار کی تقسیم کی ہے ان میں عبدالقادر کی تقسیم بنیادی طور پر درست ہے۔ انھوں نے ۱۹۲۴ء تک اقبال کی شاعری کو تین ادوار میں تقسیم کیا تھا۔ اس تقسیم کی بنیاد فکری تھی۔ اقبال کے فکری و فنی ارتقا کے لحاظ سے یہ تقسیم مندرجہ ذیل طریقے سے دینا مناسب ہے:

۱۔ اقبال کی شاعری کا پہلا دور ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک کی شاعری پر مشتمل ہے جس میں فطرت پسندی اور وطن پرستی کی رومانوی خصوصیات موجود ہیں۔ یہاں اقبال ہمیں بھرپور رومانوی شاعر کے روپ میں دکھائی دیتے ہیں۔

۲۔ دوسرا دور ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک ہے یعنی قیام یورپ کا زمانہ۔ اس دور کو ہم اقبال کی شاعری کا عبوری دور بھی کہہ سکتے ہیں۔ پہلے دور کی وطنیت پرستی اور تیسرے دور کی پان اسلامزم کے بجائے حسن و عشق اور مشرق و مغرب کے موازنے پر اقبال کی توجہ رہی۔ اس دور میں گوئٹے کے مطالعے نے اقبال کے فلسفہ مردِ مومن کے لیے خام مواد فراہم کیا۔

۳۔ تیسرا دور ۱۹۰۸ء سے بال جبریل کی شاعری سے پہلے کا ہے۔ تین سالہ قیامِ یورپ کے بعد اقبال وطن واپس آئے تو ان کے سامنے ایک واضح راستہ پین اسلامزم کی صورت میں موجود تھا۔ خودی، عشق، مردِ مومن اور عالم گیر اخوت کے تصورات کو انہوں نے علامات و تراکیب کے ذریعے بیان کیا۔

۴۔ ہم ان کی شاعری کا چوتھا دور بالِ جبریل کی شاعری کو قرار دیتے ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ تیسرے دور اور بال جبریل کی شاعری میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جو موضوعات تیسرے دور میں تھے وہی بال جبریل میں بھی موجود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں ایک واضح فرق جوش اور توازن کا ہے۔ بال جبریل میں جوش کی جگہ فکر نے لے لی ہے۔ فکر و فلسفے اور رومانویت و کلاسیکیت کا حسین امتزاج اور توازن بال جبریل کی شاعری میں موجود ہے۔

۵۔ ضربِ کلیم اور ارمغانِ حجاز اقبال کی شاعری کا پانچواں دور ہے۔ اس میں اقبال کا رجحان مکمل طور پر کلاسیکیت کی طرف ہو گیا تھا۔ اقبال اپنا پیغام بال جبریل تک کی شاعری میں مکمل طور پر دے چکے تھے۔ اب انہی موضوعات کو انہوں نے عنوانات کے تحت ضربِ کلیم میں بیان کر دیا ہے۔ موضوع اور فن کے حوالے سے کوئی نئی بات اس دور کی شاعری میں دکھائی نہیں دیتی۔

اقبال کی شاعری کے ان ادوار کی تفصیل اور خصوصیات درج ذیل ہیں:

اقبال کی شاعری کا پہلا دور:

اقبال نے اپنی شاعری سے اپنے دور ہی کو متاثر نہیں کیا بلکہ آج بھی ان کی شاعری اپنی فکر، فلسفہ اور فنی خصوصیات کے باعث متنوع اور ہمہ گیر ہے۔ ان کی فطری ذہانت کے ساتھ ساتھ ان کے اساتذہ نے بھی اس جوہر کو نکھارا۔ سید میر حسن اور پروفیسر آرنلڈ کی صحبت اور مشرق و مغرب کے مطالعے، انگریزی زبان و ادب کے مطالعے نے اقبال کو جلا بخشی۔ انہوں نے غزل میں داغ سے بھی اصلاح لی لیکن وہ جلد ہی نظم نگاری کی جانب متوجہ ہو گئے۔ غزل کلاسیکی معیار سمجھی جاتی تھی۔ اقبال نے غزل نے قطع نظر کر کے نظم نگاری کو اہمیت دی۔ اقبال کے دورِ اول کی نظموں کو درج ذیل موضوعات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ وہ نظمیں جن میں فطرت کو پیش کیا گیا ہے اور مختلف مناظرِ فطرت کے حوالے سے بات کی

گئی ہے مثلاً ہمالہ، ایک آرزو، ماہِ نو، صبح کا ستارہ، گلِ پژمردہ وغیرہ۔

۲۔ وہ نظمیں جن میں وطنیت پرستی اور حبِ وطن کے جذبات بیان کیے گئے ہیں مثلاً ترانۂ ہندی، ہندوستانی بچوں کا گیت، صدائے درد، تصویرِ درد اور نیا شوالہ۔

۳۔ بچوں کے لیے لکھی جانے والی نظمیں جو انگریزی رومانوی شعرا کی نظموں سے ماخوذ ہیں یا ان کا آزاد ترجمہ ہیں۔ مثلاً ایک مکڑا اور مکھی، ایک پہاڑ اور گلہری، ایک گائے اور بکری، بچے کی دعا، ہمدردی وغیرہ۔

۴۔ متفرق موضوعات مثلاً عہدِ طفلی، مرزا غالب، شمع، سید کی لوحِ تربت، دل، التجائے مسافر وغیرہ۔

اقبال کی ان نظموں میں فطرت بے جان اور جامد چیز نہیں ہے بلکہ وہ اس کی نامیاتی نمو کے قائل ہیں۔ وہ ہمالہ کو مخاطب کر کے اس کی عظمت و شکوہ بیان کرتے ہیں:

اے ہمالہ اے فصیلِ کشورِ ہندوستان
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں
تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشاں
تو جواں ہے گردشِ شام و سحر کے درمیاں
ایک جلوہ تھا کلیمِ طورِ سینا کے لیے
تو تجلی ہے سراپا چشمِ بینا کے لیے

ہمالہ کے آخر میں شاعر عہدِ ماضی کے حسین تصورات میں کھو جاتا ہے اور فطری و سادہ زندگی کو مثالی قرار دیتا ہے۔

اے ہمالہ ! داستاں اس وقت کی کوئی سنا
مسکنِ آبائے انساں جب بنا دامن ترا
کچھ بتا اس سیدھی سادی زندگی کا ماجرا
داغ جس پر غازۂ رنگِ تکلف کا نہ تھا
ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

پہلے دور کی شاعری میں وطنیت پرستی اپنے عروج پر ہے۔ اقبال وطن کے ذرے ذرے سے محبت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اقبال کو وطنیت ہی ایک ایسا مرکز نظر آیا جہاں ہندو اور مسلمان متفق ہو سکتے تھے۔ اس دور کی شاعری میں وطن کی سرزمین سے دلی عقیدت اور ہندوستان کے کوہ و دریا، مناظر و مظاہرِ فطرت سے گہرے لگاؤ کا اظہار بھی شامل ہے اور وطن کی عظمت و محبت کا پرجوش اظہار بھی ہے،

کرب واضطراب کی کیفیات بھی ہیں اور جذبہ انسان دوستی اور حب الوطنی کے جذبات بھی موجود ہیں۔ ہمالہ کو اقبال کی ''حب الوطنی کا مطلع'' (۱۱) اور پہلے دور کو ''بجا طور پر اقبال کی وطن پرستی کا دور'' کہا جاتا ہے۔

اقبال کا رومانوی مزاج وطنیت کے تصور سے تسلی حاصل نہ کر سکا اس لیے پہلے دور کی شاعری میں ایک کش مکش پائی جاتی ہے۔ وہ کبھی وطن کے ذرے ذرے کو اہم قرار دیتے ہیں اور کبھی اس میں حسنِ ازل کی جھلک دیکھتے ہیں۔ آخر کار اس رجحان نے تیسرے دور کی شاعری میں پین اسلامزم کے تصور تک پہنچ کر ایک واضح رخ قائم کر لیا۔

دوسرا دور:

اقبال کی شاعری کا دوسرا دور ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء کو محیط ہے۔ فکری لحاظ سے ان کی شاعری کا یہ دور پہلے دور سے مختلف ہے۔ پہلا دور وطنیت پرستی، مادی اشیا اور مظاہر کی خارجی شکل وصورت تھا۔ فکر و فلسفہ پہلے دور کی شاعری میں واضح نہیں ملتا جبکہ دوسرے دور میں حسن و جمال اور فلسفہ وفکر کی آمیزش نظر آتی ہے۔ یہ دور اقبال کے شعور کی پختگی کا دور ہے۔ انہیں مغرب کی تہذیب کے مطالعے کے بعد اس کا کھوکھلا پن واضح طور پر دکھائی دیا۔ حسن و جمال کے تصورات اور حقائق اس دور کی شاعری میں موجود ہیں۔ دوسرا دور اقبال کی شاعری کا عبوری دور ہے۔ پہلے دور کی فطرت پسندی اور تیسرے دور کی پین اسلامزم کے درمیان اب ان کا رجحان حسن و جمال کے فلسفہ کی طرف ہے۔ عطیہ فیضی اور جرمن اتالیق ایما کے فیضِ صحبت نے اقبال کی بے رنگ زندگی میں رنگ شامل کر دیے۔ عطیہ اور ایما کے نام خطوط میں اقبال نے ساری زندگی ہائیڈل برگ میں گزارنے، ایما کے ساتھ گوئٹے پڑھنے کی خواہش کا اظہار ملتا ہے۔ اقبال ان خطوط میں ایما کے ساتھ گزارے ہوئے دنوں کو بار بار یاد کرتے ہیں اور دوبارہ ملاقات کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں:

> ''آپ کی تصویر میری میز پر رکھی ہے اور ہمیشہ مجھے ان سہانے وقتوں کی یاد دلاتی ہے جو میں نے آپ کے ساتھ گزارے تھے۔'' (۱۲)
>
> ''میری بہت بڑی تمنا ہے کہ میں ہندوستان لوٹنے سے پہلے آپ سے ملاقات کر سکوں ۔۔۔ میرا جسم یہاں ہے، میرے خیال جرمنی میں ہیں۔۔۔ میرے دلِ غمگین میں آپ کے لیے بڑی خوبصورت سوچیں ہیں اور یہ خاموشی سے ایک کے بعد ایک آپ کی طرف روانہ ہوتی ہیں۔ یہ ہیں آپ کے لیے میری تمنائیں۔'' (۱۳)

ان خطوط میں ۳ دسمبر ۱۹۰۸ء کے ایک خط کا یک جملہ اقبال کے جذبوں کی شدت کا مظہر ہے جو انہوں نے ہندوستان سے لکھا:

> ''میں اپنی ساری جرمن زبان بھول گیا ہوں لیکن مجھے صرف ایک لفظ یاد ہے، ایماء۔'' (۱۴)

اقبال نے ایما کے ساتھ مل کر گوئٹے کا مطالعہ کیا اور گوئٹے کے ''فاوسٹ'' سے وہ متاثر ہوئے۔ دوسرے دور کی نظموں میں محبت، عاشق ہرجائی، حقیقت حسن، حسن و عشق، وصال، سلیمیٰ، جلوۂ حسن اور پیامِ عشق کے عنوانات سے ظاہر ہے کہ اقبال حسن و جمال سے نہ صرف متاثر ہیں بلکہ وہ حسن کی حقیقت کو فلسفیانہ سطح پر سمجھنے کی دانش ورانہ کوششوں میں مصروف ہیں:

مہوس نے یہ پانی ہستیٔ نوخیز پر چھڑکا
گرہ کھولی ہنر نے اس کے گویا کارِ عالم سے
ہوئی جنبش عیاں، ذروں نے لطفِ خواب کو چھوڑا
گلے ملنے لگے اٹھ اٹھ کے اپنے اپنے ہمدم سے
خرامِ ناز پایا آفتابوں نے، ستاروں نے
چٹک غنچوں نے پائی، داغ پائے لالہ زاروں نے

اقبال حسن کی جھلک مناظرِ فطرت میں دیکھتے ہیں۔ حقیقتِ حسن کو بیان کرنے کے لیے انہوں نے فطرت کو ذریعہ بنایا:

بھر آئے پھول کے آنسو پیامِ شبنم سے
کلی کا ننھا سا دل خون ہو گیا غم سے
چمن سے روتا ہوا موسمِ بہار گیا
شباب سیر کو آیا تھا، سوگوار گیا

نظم ''کلی'' میں بھی مناظرِ فطرت کے حسن و جمال کو بیان کیا گیا ہے۔ ''چاند اور تارے'' کے مکالمے کے ذریعے حرکت و عمل کا درس دیا ہے۔ حسنِ ازل کی جھلک مناظرِ فطرت کے ذریعے ''کوششِ ناتمام'' میں بیان کی گئی ہے۔ ''ایک شام'' اور ''تنہائی'' میں شاعر کا تخیل مختلف تصویریں دکھاتا ہے جو فطرت کی بوقلمونیوں اور رنگا رنگی کو ظاہر کرتا ہے۔ ازدواجی زندگی کے بحران اور ایما کی رفاقت سے محرومی کی وجہ سے اقبال کے دوسرے دور کی شاعری میں تنہائی کا احساس بھی پایا جاتا ہے۔ ''ایک شام'' اور ''تنہائی'' اس احساس کی نمائندہ نظمیں ہیں۔

تیسرا دور:

قیامِ یورپ میں اقبال کی توجہ زیادہ تر حصولِ علم کے لیے وقف رہی۔ انہوں نے مغربی تہذیب کی مادہ پرستی کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا۔ حسن و عشق اور مغرب پر تنقید اقبال کی شاعری کے دوسرے دور کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ ۱۹۰۸ء میں اقبال وطن واپس آئے تو ان کا نظریاتی نصب العین واضح تھا۔ اب ان کا رجحان وطنیت کے بجائے ملتِ اسلامیہ اور پین اسلامزم کی طرف ہو گیا۔ خودی، عشق اور مردِ مومن کے نئے تصورات انہوں نے اپنی شاعری میں بیان کیے۔ اسلوب احمد انصاری لکھتے ہیں:

''تیسرے دور میں وہ ایک مفکرِ ملت اور نبض شناس حکیم کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے اور اپنی دور رس نگاہوں سے قومی زندگی کے مد و جزر کا جائزہ لے کر حیاتِ قومی کے اصول مرتب کر رہا ہے اور مسلمانوں کی کشتیِ حیات کو موجوں کے تھپیڑوں سے بچا کر ہمکنارِ ساحل کر دینا چاہتا ہے۔''(۱۵)

''بانگِ درا'' کے تیسرے حصے یعنی شاعری کے تیسرے دور میں اقبال وطنیت کے بجائے اسلامی قومیت کا درس دیتے ہیں۔ پہلے دور کی پہلی نظم ''ہمالہ'' ہے اور تیسرے دور کی پہلی نظم ''بلادِ اسلامیہ'' ہے۔ وہ بار بار مسلمانوں کے شاندار ماضی کی تجدید کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس ضمن میں اسلام کی ابتدا، مسلمانوں کے مفتوح علاقوں اور فتوحات کے شاندار مناظر بیان کرتے ہیں۔ اس دور کی شاعری میں عمل اور جدوجہد کا پیغام بھی ہے اور ماضی کی تجدید کی خواہش بھی۔ ''بلادِ اسلامیہ'' میں عظمتِ رفتہ کا ذکر یوں کرتے ہیں:

دل کو تڑپاتی ہے اب تک گرمیِ محفل کی یاد
جل چکا حاصل مگر محفوظ ہے حاصل کی یاد

اقبال مغرب کی مادیت اور گمراہ کن وطنیت کے تصور کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے اس لیے ''ترانۂ ہندی'' کی جگہ ''ترانۂ ملی'' اور ''ہندوستان والو'' کے بجائے اب وہ ''چین و عرب ہمارا'' کے گیت گاتے نظر آتے ہیں

چین و عرب ہمارا ، ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم ، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

تیسرے دور میں اقبال کا تصورِ وطنیت تبدیل ہو گیا۔ یورپی تصورِ وطن کے بجائے وہ مسلمانوں کا وطن اسلام کو قرار دیتے ہیں۔ عالمِ اسلام کی عالمگیریت ہی کو مسلمانوں کا مرکز قرار دیا ہے

گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشادِ نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

یہ دور اقبال کی مشہور و معروف نظموں کا دور ہے۔ ان نظموں میں شکوہ، جواب شکوہ، شمع و شاعر، خضرِ راہ، طلوعِ اسلام اور والدہ مرحومہ کی یاد میں ایسی نظمیں ہیں جو اپنے موضوعات اور اسلوب کی بنا پر اب بھی اتنی ہی مقبول ہیں جتنی اس دور میں تھیں جب یہ لکھی اور پڑھی گئیں۔

ان نظموں میں مسلمانوں کے شاندار ماضی اور کارنامے، پیکر تراشی اور شاعرانہ مصوری کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ مکالمہ نگاری ان نظموں کا ایک اور خاص وصف ہے۔ شکوہ اگر مسلمانوں کی بات چیت ہے تو جواب شکوہ اللہ کی گفتگو۔ شمع اور شاعر کے مکالموں کے ذریعے بڑے بڑے حقائق کو بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح خضرِ راہ میں شاعر اور حضرت خضر کے سوال جواب کے ذریعے اقبال نے اپنے

تصورات پیش کیے ہیں جن میں تصورِ خودی اور تصورِ مردِ مومن اہم ہیں۔ ''بانگِ درا'' کے تیسرے حصے میں طویل نظمیں، رواں بحریں، مناظرِ فطرت، تصورِ خودی، عشق، پیکر تراشی، امید و رجائیت، ماضی پسندی، اور پین اسلامزم جیسی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اس دور میں اقبال کا فلسفہ اور فکر کھل کر واضح شکل میں ہمارے سامنے آجاتا ہے۔

چوتھا دور:

اقبال کی شاعری کا چوتھا دور ''بالِ جبریل'' کی شاعری پر مشتمل ہے۔ ''بالِ جبریل'' ۱۹۳۵ء میں منظرِ عام پر آئی۔ ''بانگِ درا'' اور ''بالِ جبریل'' کی شاعری میں ایک واضح فرق جوش اور توازن کا ہے۔ اب فکری سنجیدگی نے جوش و خروش کی جگہ لے لی ہے۔ آل احمد سرور لکھتے ہیں:

> ''شاعر کے اندازِ بیان میں نمایاں فرق ہو گیا ہے۔ جوش کی جگہ سنجیدگی نے، خندۂ دنداں نما کی جگہ ایک لطیف تبسم نے اور شعلہ جوالہ کی برق سامانیوں کی جگہ ایک مسلسل متوازی اور محیط ضیا باری نے لے لی ہے۔ پہلے ''شمع و شاعر'' ہو یا ''طلوعِ اسلام''، شاعر کا قلم بقول شخصے ٹھاٹھیں مارتا ہوا چلا جاتا تھا۔ ایک طوفان تھا جس میں بلندی تخیل اور پیرایہ بیان نہایت خوبصورتی سے سموئے گئے ہیں۔ اب ایک ہلکا سکوت ہے جو بجائے خود ایک جہانِ معنی اپنے اندر رکھتا ہے۔''(۱۶)

''بالِ جبریل'' میں رومانویت اور کلاسیکیت کا ایک لطیف توازن موجود ہے۔ اس مجموعے میں نظموں کے ساتھ ساتھ غزلیات بھی کافی تعداد میں موجود ہیں۔ ''بالِ جبریل'' میں غزلیات کی تعداد ۷۶ ہے۔ اقبال نے غزل کے مخصوص، محدود و مقرر موضوعات سے ہٹ کر موضوعات اپنائے اور غزل کو نظم سے قریب کر دیا۔ غزل میں موضوع کا تسلسل ان کی غزلوں کو نظموں سے قریب تر کر دیتا ہے۔ ڈاکٹر صدیق جاوید اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

> ''بالِ جبریل'' کی غزلیات کے بارے میں ابھی تک نقاد گومگو کے عالم میں ہیں۔ وہ یہ فیصلہ نہیں کر پائے کہ بالِ جبریل کی غزلیات کو نظم قرار دیا جائے یا قطعہ۔''(۱۷)

اگرچہ غزل کی صنف کلاسیکیت کے لیے زیادہ موزوں ہے لیکن اقبال نے غزل میں مسلسل مضامین بیان کر کے اسے رومانویت اور نظم سے زیادہ قریب کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ کئی غزلوں کو تو باقاعدہ عنوان دیے جا سکتے ہیں۔ عظمتِ انسانی کا بیان اقبال کا پسندیدہ موضوع ہے۔ بالِ جبریل میں بھی انہوں نے اس موضوع کو بیان کیا ہے۔ اس دنیا میں انسان کے مقام پر وہ کبھی کبھی خدا سے شوخیاں کرتے نظر آتے ہیں:

باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں
کارِ جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر

اقبال فرشتوں کے مقابلے میں انسان کی فضیلت کے قائل ہیں

قصور وار غریب الدیار ہوں لیکن
ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد

فطرت کے نامیاتی تصور کو بال جبریل میں بھی بیان کیا گیا ہے لیکن اب فطرت کا بیان زیادہ نہیں ہے بلکہ اب اقبال اپنے تصورات کو علامات کے ذریعے بیان کرتے ہیں۔ صرف ایک غزل کے ایک شعر میں پھولوں کے مختلف رنگوں کو خوبصورتی سے پریوں کے رنگین پیراہن سے تشبیہہ دی ہے:

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے اودے ، نیلے نیلے ، پیلے پیلے پیراہن

نظموں میں مسجدِ قرطبہ کے آخری بند، ساقی نامہ کی بہاریہ تشبیب اور ذوق وشوق میں صبح کے منظر کو بیان کیا گیا ہے۔ بال جبریل میں اقبال کی توجہ انسانی عظمت، مردِ مومن، تصورِ خودی، عقل وعشق، مسلمانوں کے ماضی اور تصورِ ابلیس پر مرکوز رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں فطرت کی تصویریں موجود تو ہیں لیکن کم ہیں۔ اور پہلے دور کی طرح ان فطری نظاروں کا مقصد پس منظر کو واضح کرنا ہے۔ فطرت مقصود بِ الذات نہیں ہے:

آبِ روانِ کبیر ! تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
عالمِ نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

اس دور میں بھی ماضی کی طرف رجحان ہے لیکن اب اس کی شدت میں کمی آ گئی ہے۔ اقبال کے نزدک ماضی عروج کی علامت ہے جبکہ حال زوال کی نشانی ہے۔ دونوں کے تقابلی مطالعے سے وہ اپنا پیغامِ عمل دیتے ہیں:

آہ ! وہ مردانِ حق ، وہ عربی شہسوار
حاملِ خلقِ عظیم ، صاحبِ صدق و یقین

اقبال نے بالِ جبریل میں تصورِ خودی اور مردِ مومن کے تصورات کو شاہین اور لالہ کی علامتوں کے ذریعے واضح کیا ہے۔ مردِ مومن کو بیان کرنے کے لیے انہوں نے ابلیس کا کردار بھی پیش کیا ہے۔ ''جبریل وابلیس''، ''ابلیس کی عرضداشت'' اور ''آزادیٔ افکار'' میں ابلیس کے مختلف افکار بیان کیے گئے ہیں۔ پہلی نظم اس حوالے سے اہم ہے کہ اس میں جبریل وابلیس کے درمیان مکالمہ ہے۔ سوال جبریل کی طرف سے ہے اور وہ ابلیس کو ہمدمِ دیرینہ کہہ کر مخاطب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تیرا چاک دامن رفو ہو کیونکہ افلاک پر ہر وقت تیری گفتگو رہتی ہے۔ جواب میں ابلیس کہتا ہے کہ اب اُس

جہاں میں میری گزر ممکن نہیں کیونکہ وہ عالم بہت خاموش ہے۔ آخر میں کہتا ہے

گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو
میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اللہ ہو ، اللہ ہو ، اللہ ہو

''ابلیس کی عرضداشت'' اور ''آزادیٔ افکار'' میں سرمایہ دارانہ شیطانی رجحان کو پیش کیا گیا ہے۔
اقبال نے ''بالِ جبریل'' کی نظموں میں مسدس، ترکیب بند، ترجیع بند اور مثنوی کی ہیئتیں استعمال کی ہیں۔ ''ساقی نامہ'' کی ہیئت مثنوی کی ہے۔ نئے نئے الفاظ، تراکیب و معانی کا استعمال اقبال کی مطالب کو وسعت عطا کرتا ہے۔ موسیقیت کے ساتھ ساتھ ترنم بھی اقبال کی شاعری میں موجود ہے جسے اقبال نے مختلف وسیلوں سے بیان کیا ہے۔ مثلاً تکرارِ الفاظ سے:

عشق سے نورِ حیات ، عشق سے نارِ حیات
فضا نیلی نیلی ، ہوا میں سرور

فقرات، تراکیب، الفاظ و حروف کی تکرار کے علاوہ شعر میں غنائیت کا جادو جگانے کے لیے اقبال ایک مصرعے کو دو برابر ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتے ہیں:

ع میرا نشیمن بھی تو ، شاخِ نشیمن بھی تو

ع شوق میری لے میں ہے، شوق میری نے میں ہے

ع تو ہی میری آرزو ، تو ہی میری جستجو

ع جھپٹنا ، پلٹنا ، پلٹ کر جھپٹنا

پیکر تراشی کے خوبصورت نمونے بالِ جبریل میں پائے جاتے ہیں۔ پیکر تراشی کی خوبصورت مثال ''مسجد قرطبہ'' میں دیکھی جا سکتی ہے:

ترا جلال و جمال مردِ خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل ، تو بھی جلیل و جمیل

''ساقی نامہ'' میں بہار کا منظر، کاروانِ بہار کا آ کر ٹھہرنا اور ندی کا اچھلنا، پھسلنا اور رواں ہونا پیکر تراشی کے عمدہ نمونے ہیں۔ تشبیہ و استعارے کا استعمال بھی اقبال کے ہاں بڑا برمحل اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ''بالِ جبریل'' کی تین طویل نظمیں مسجد قرطبہ، ذوق و شوق اور ساقی نامہ ہیں۔ ان نظموں میں

اقبال کے تقریباً تمام رومانوی تصورات آ گئے ہیں۔ مسجدِ قرطبہ کے آغاز میں داستانی فضا اور ماحول تخلیق کیا گیا ہے:

سلسلۂ روز و شب ، نقش گرِ حادثات
سلسلۂ روز و شب ، اصلِ حیات و ممات
سلسلۂ روز و شب ، تارِ حریرِ دو رنگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات

''بالِ جبریل'' میں فطری مناظر، ماضی کا حوالہ، تصوراتِ خودی و مردِ مومن، انسانی عظمت جیسے رومانوی موضوعات شامل ہیں۔ موضوعات کی رومانویت کے ساتھ ساتھ فنی لحاظ سے بھی یہ مجموعہ رومانوی اسلوب کو ظاہر کرتا ہے۔ اقبال نے غزلوں اور نظموں میں نئی علامتیں شامل کرنے کے ساتھ ساتھ پرانی علامتوں کو نئے معانی دیے۔ جو تراکیب، تشبیہات، استعارات اور تلمیحات ''بالِ جبریل'' میں موجود ہیں انہوں نے اردو زبان کا دامن وسیع کیا اور اس طرح اقبال رومانویت کا نقطۂ عروج قرار پائے۔ ''بالِ جبریل'' میں موضوع اور اسلوب، رومانویت اور کلاسیکیت کا توازن اور دلکش امتزاج پایا جاتا ہے۔

پانچواں دور:

''ضربِ کلیم'' اور ''ارمغانِ حجاز'' کا کلام اقبال کی شاعری کا پانچواں دور ہے۔ ان دو مجموعوں میں اقبال نے موضوع اور فن کے حوالے سے کوئی نئی بات نہیں کی۔ کلاسیکیت اور رومانویت کا جو توازن ''بالِ جبریل'' کی شاعری میں تھا اب اقبال کا واضح رجحان کلاسیکیت کی طرف ہو گیا ہے یہی وجہ ہے کہ ''ابلیس کی مجلسِ شوریٰ'' کے علاوہ اور کوئی طویل نظم اس دور میں نئی ملتی۔ تمام رومانویت پسند آخری دور میں کلاسیکیت کی جانب مڑ جاتے ہیں۔ یہ دوران کے بڑھاپے اور اضمحلال کا دور ہوتا ہے۔ فکری پختگی و ہی رہتی ہے لیکن زبان اور اظہار کی قوتوں میں کچھ کچھ اضمحلال ظاہر ہوتا ہے۔ فنکارانہ ذرائع کے بجائے مقصدیت کا غلبہ ہو جاتا ہے اور شاعری میں نثریت آ جاتی ہے۔ اقبال کی شاعری کا یہ آخری دور انھی خصوصیات کا حامل ہے۔ اس دور میں پیام کو بیان کرنے میں رجحان زیادہ ہے۔ اگرچہ اس دور کی شاعری بھی اعلیٰ درجے کی ہے لیکن اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اب شاعرانہ بیان میں کچھ کمی ہے اور واعظانہ اور تبلیغانہ انداز زیادہ ہے۔ اس دور کی شاعری میں کلاسیکی رجحانات زیادہ ہیں۔

''ضربِ کلیم'' اور ''ارمغانِ حجاز'' میں ساری نظمیں مختصر ہیں۔ ان نظموں کے موضوعات وہی ہیں جو اس سے قبل کی شاعری میں پیش کیے گئے ہیں تاہم اب محض ان کی تکرار ہے۔ کوئی اچھوتا خیال یا فکر اس دور کی شاعری میں نہیں پائی جاتی۔ ''ضربِ کلیم'' میں مختلف عنوانات کے تحت نظمیں درج کی گئی ہیں۔ ان عنوانات میں اسلام اور مسلمان (۶۷ نظمیں) تعلیم و تربیت (۲۸ نظمیں) عورت (۹ نظمیں) ادبیات، فنونِ لطیفہ (۴۳ نظمیں) سیاساتِ مشرق و مغرب (۳۵ نظمیں) اور محراب گل افغان کے افکار کے عنوان

کے تحت ۲۰ غزلیات شامل کی گئی ہیں۔ ''ارمغانِ حجاز'' میں ۸ نظمیں، ۱۳ رباعیات، ۱۹ غزلیات اور ۳ متفرق نظمیں موجود ہیں۔ اس دو کے چند اہم موضوعات درج ذیل ہیں۔

اقبال اپنا تصورِ خودی ''بالِ جبریل'' تک کی شاعری میں مکمل کر چکے تھے تاہم خودی کا یہ پیغام ''ضربِ کلیم'' میں بھی موجود ہے

خودی کا سرِ نہاں لا الہ الا اللہ
خودی کا تیغِ فساں لا الہ الا اللہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ

نظم ''حیاتِ ابدی'' میں خودی کی ابدیت کو بیان کیا ہے:

زندگانی ہے صدف ، قطرۂ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا کہ جو قطرے کو گہر کر نہ سکے
ہو اگر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

اس دور کی شاعری کے بنیادی موضوعات میں سے ایک مادہ پرست دنیا اور مغربی تہذیب و تمدن کے معائب بیان کرنا ہے۔ نوجوانانِ ملت کو مغرب کی چیرہ دستیوں سے آگاہ کر کے اسلامی اصولوں کی طرف راغب کرنا اقبال کا مقصود دکھائی دیتا ہے۔ اقبال نے خودی، مساوات، عزم، حریت اور عمل کا درس دیا ہے۔ انہوں نے مذہب کو نجات دہندہ قرار دیا ہے اور مغرب کی گمراہی کے عواقب و نتائج سے خبردار کیا ہے۔ مسلمانوں کو تن بہ تقدیر ہونے کے اسباب و نتائج بتائے ہیں:

اسی قرآں میں ہے اب ترکِ جہاں کی تعلیم
جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا اسیر
تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

اسی طرح نظم ''مسلمان کا زوال'' میں کہتے ہیں:

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جہاں میں مرا جوہر آشکار ہوا
قلندری سے ہوا ہے تونگری سے نہیں

نظم ''اجتہاد'' میں بھی اسی طرح کے خیالات بیان کیے گئے ہیں:

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

اہم عمرانی و سیاسی مسائل کو اس دور کی شاعری میں زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ اس دور کی شاعری میں اقبال کا مقصود شاعری نہیں بلکہ تبلیغ ہے۔ اقبال نے مسلمانوں کی بے عملی پر چوٹیں کی ہیں:

ہے کس کی یہ جرأت کہ مسلمان کو ٹوکے
حریتِ افکار کی نعمت ہے خدا داد
قرآن کو بازیچۂ تاویل بنا کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد
ہے مملکتِ ہند میں اک طُرفہ تماشا
اسلام ہے محبوس ، مسلمان ہے آزاد

طاہر فاروقی نے ''سیرت اقبال'' میں اس دور کو ''چوتھے دور کا تکملہ'' قرار دیا ہے۔ اس دور میں اقبال نے خودی، مادہ پرست دنیا اور مغربی تہذیب و تمدن کے معائب، اہم سیاسی و عمرانی مسائل بیان کیے ہیں۔ انہوں نے مذہب کو نجات دہندہ قرار دیا ہے۔ نوجوانانِ ملک کو شاہراہِ حیات دکھا کر خودی، اخوت، مساوات، عزم و ہمت، حوصلہ و استقلال، حریت و عمل کا درس دیا ہے۔ اس طرح اقبال کی شاعری کا جو سفر رومانویت سے شروع ہوا تھا وہ کلاسیکیت پر ختم ہوا۔ اقبال کو اقبال بنانے میں جس شاعری نے اہم کردار ادا کیا وہ پہلے چار ادوار کی شاعری ہے۔ جب بھی اقبال کے افکار کو بیان کیا جاتا ہے تو حوالے کے لیے بانگ درا اور بالِ جبریل کی شاعری کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے۔ اقبال اپنا پیغام ان پہلے دو مجموعوں میں دے چکے تھے اور یہ پیغام جن عناصر پر مشتمل ہے وہ رومانوی عناصر ہیں۔ انہی عناصر کی بدولت اقبال اردو میں رومانوی شاعری کا نقطۂ عروج قرار پاتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ عبدالقادر، سر، دیباچہ بانگ درا، کلیاتِ اقبال، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۰ء، ص:۳۹
۲۔ ایضاً، ص:۴۰
۳۔ ایضاً، ص:۴۲
۴۔ ایضاً، ص:۴۴
۵۔ طاہر فاروقی، ڈاکٹر، سیرت اقبال، لاہور: قومی کتب خانہ، طبع چہارم، ۱۹۶۶ء، ص:۱۶۵
۶۔ عبدالسلام ندوی، اقبال کامل، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، طبع اول، ۱۹۸۹ء، ص:۱۲۸

۷۔ ایضاً،ص:۱۳۱

۸۔ عبدالمغنی، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفنی ارتقا، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۹۱ء، ص:۱۴

۹۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر، طیفِ اقبال، لاہور: لاہور اکیڈمی، طبع اول، جون ۱۹۶۴ء، ص:۱۸

۱۰۔ ایضاً،ص:۱۸

۱۱۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، اقبال ایک مطالعہ، اقبال اکادمی پاکستان، طبع اول، ۱۹۸۷ء، ص:۹۵

۱۲۔ سعید اختر درانی، ڈاکٹر، (مترجم) اقبال کے غیر مطبوعہ خطوط بنام ویگے ناست، مشمولہ: قومی زبان، ماہنامہ، کراچی، اپریل ۲۰۰۱ء، ص:۲۳

۱۳۔ ایضاً،ص:۲۴۔۲۳

۱۴۔ ایضاً،ص:۳۶

۱۵۔ اسلوب احمد انصاری، اقبال شعاع صد رنگ، مرتبہ: ڈاکٹر سلیم اختر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ص:۸۳

۱۶۔ آل احمد سرور، اقبال اور ان کا فلسفہ، مرتبہ: صدیق جاوید، لاہور: مکتبہ عالیہ، اشاعت اول، جنوری ۱۹۷۷ء، ص:۲۴

۱۷۔ صدیق جاوید، ڈاکٹر، بال جبریل کا تنقیدی مطالعہ، لاہور: یونیورسل بکس، ۱۹۸۷ء، ص:۹۱

☆.....☆.....☆